1180

اقبال اور پیامِ حرّیت

از

پروفیسر محمد یوسف خان سلیم چشتی

بی۔ اے (آنرز)

ناشر

اقبال اکیڈیمی۔ ظفر منزل۔ تاجپورہ لاہور

قیمت آٹھ آنہ ۸ر   محصول ڈاک ۲ر

٨٩١٤٢٣١٧

ن ٣٧١

وس ٩٣١ (

فہرس

باراوّل　　جون ۱۹۴۴ء　　ایک ہزار
مطبوعہ اتحاد پریس لاہور

پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی بی۔ اے (آنرز) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے لاہور کے علمی ماحول سے مدتوں اپنے ذوقِ سلیم اور طبعِ رسا کی بنا پر خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ آپ کو علامہ اقبال کی ذات اور اُن کے کلام سے والہانہ شیفتگی ہے۔ علامہ اقبال سے اس شیفتگی کی وجہ پروفیسر صاحب کے نزدیک صرف یہ ہے کہ وہ قرآن اور حاملِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شیفتگی رکھتے تھے اور اُن کے کلام میں جس قدر زور اور جس قدر اثر ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک علامہ قرآن مجید کے ایک مبلغ اور مفسر ہیں۔ انہوں نے تبلیغ کا ذریعہ شعر کو بنایا ہے کیونکہ شعر دل کی گہرائیوں تک مار کرتا ہے۔ پس علامہ کے کلام کی شرح گویا اُس تفسیرِ قرآن کی شرح ہے جو علامہ اقبال لکھ گئے ہیں۔

اس سے قبل پروفیسر صاحب کی دو کتابیں، شرح اسرارِ خودی اور تعلیماتِ اقبال، قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ یہ اُن کی تیسری تالیف ہے اور اس کے بعد شرح "پس چہ باید کرد" عنقریب طبع ہونے والی ہے۔ امید ہے پروفیسر صاحب اس مفید سلسلہ کو جاری رکھ کر لوگوں تک اقبال کا پیغام پہنچاتے رہیں گے۔

محمد شاہ
سیکرٹری اقبال اکیڈیمی

یکم جون ۱۹۴۴ء

تمہید

یہ مقالہ یوم اقبال کی تقریب پر لکھا گیا۔ اور ۹ جنوری [illegible] کے دن ایک عظیم الشان اجتماع کے سامنے مینارڈ ہال لاہور میں پڑھ کر سنایا گیا۔ حاضرین نے بہت پسند فرمایا۔ اور ہر طرف سے قدرشناس مقرر کو داد دی گئی۔

صاحب صدر و حاضرین مجلس ۔

نفس عنوان پر اظہار خیالات سے پہلے اس مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو اس تقریب سعید میں شرکت سے حاصل ہوئی ہے۔ اس مسرت کا سبب یہ ہے کہ یوم اقبال فی الحقیقت دلیل ہے اس امر کی کہ قوم کے افراد میں اقبال کے پیغام کی اہمیت کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔

اس حقیقت سے شاید اب کسی کو انکار نہ ہوگا کہ اقبال نے دنیا کو ایک پیغام دیا ہے۔ جو انہوں نے تمام و کمال دو مثنویوں میں قلمبند کیا ہے۔ یہ مثنویاں سنہ ۱۹۱۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھیں۔ اگرچہ اس پیغام سے جملہ بنی نوع آدم

مستفید ہو سکتے ہیں لیکن اولین مخاطب مسلمان قوم ہے۔

ایک تو مخاطب قوم پر حالتِ جمود طاری تھی، جواب بھی کافی موجود ہے دوسرے قوم کی اکثریت اس زبان سے بیگانہ تھی جس میں یہ پیغام پیش کیا گیا تھا۔ تیسرے جس محدود طبقہ نے اس کا مطالعہ کیا اس نے اپنی قدامت پسندی کی وجہ سے اشراقی تصوف اور فلسفہ کی تردید کچھ پسند نہ آئی۔ اس لئے ان کی اشاعت کے بعد جو نتیجہ نمایاں طور پر مرتب ہوا وہ یہ کہ ایک صاحب نے اسرارِ خودی کی تردید میں ایک مثنوی شائع کر دی۔ اور بعض افراد نے جزوی طور پر اس کے بعض مطالب و مقامات سے اختلاف ظاہر کیا۔ بہت کم لوگوں نے ان کو سمجھنے یا ان تک پہنچنے کی کوشش کی۔

اشاعت سے ۱۵ - ۱۶ سال بعد ایک مردِ خدا نے ان مثنویوں کی اہمیت کا صحیح اندازہ بیشک کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے مضمون میں ان مثنویوں کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ "اقبال ایک مسیحا ہے جو ہماری قوم کو زندہ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے"

مغرب کے لوگ چونکہ زندہ ہیں اس لئے انہوں نے اس غیر مانوس چیز کو پڑھا اور ۱۹۲۰ء میں اسرارِ خودی کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیمبرج سے شائع ہوا۔ بس یہ خالص ترجمہ ہی ہے اصل کتاب کا سا اندازِ بیان اور زورِ کلام اور اثر تینوں چیزیں تقریباً مفقود ہیں مختصر یہ کہ اس ترجمہ میں

"مولوی مدن کی سی بات" نہیں پائی جاتی۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اپنوں کے مقابلہ میں بیگانوں کا یہ سلوک بہر حال لائق تحسین ہے۔

"قوم زندہ ہوتی تو جس طرح جواہر لعل کی A Autobiography کے ایک سال میں دس ایڈیشن شائع ہو گئے ان مثنویوں کا چرچا بھی ہر شخص کی زبان پر ہوتا۔ لیکن زندہ اور مردہ افراد کا موازنہ ہی کیا؟"

مصنف کے دل پر قوم کی اس مجرمانہ غفلت شعاری اور ناقابل رشک بے حسی کا جو اثر مرتب ہوا اس کا اظہار انہوں نے نو سال کے بعد پیام مشرق میں کیا۔ جہاں انہوں نے جرمن شاعر گوئٹے کے ساتھ اپنا موازنہ کیا ہے:-

او چمن زادے چمن پروردۂ من دمیدم از زمین مردۂ

اس ایک شعر میں ناقدرئ ابنائے زمانہ کا شکوہ جس انداز سے کیا گیا ہے وہ غالباً ہمری تشریح و توضیح سے بالاتر اور بے نیاز ہے۔

اس زمانہ میں اقبال کا اردو کلام محض اس لئے کہ وہ اردو میں تھا کسی حد تک لوگوں میں شائع ہو گیا تھا۔ کسی حد تک کی قید میں نے اس لئے لگائی ہے کہ اولاً افراد قوم نے زیادہ تر بانگ درا کی غزلوں ہی سے واقفیت پیدا کی اور ان کی تحسین و آفرین کا میدان سے "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں"۔ اور اسی قسم کی

چند دوسری غزلوں سے آگے نہ بڑھ سکا، دوسرے یہ کہ چونکہ اقبال کا پیغام ہنوز نگاہوں سے پوشیدہ تھا، اس لئے یوپی کے لوگوں نے اس کو محض ایک شاعر سمجھکر اس کے کلام کو فن عروض کے معیار پر پرکھنا اور ردیف و قافیہ کی میزان میں تولنا شروع کردیا۔ اور محاورہ اور زبان کی دوچار خامیاں پیش کرکے تنقید کا حق ادا کردیا۔ حالانکہ انہوں نے ۱۹۱۵ء ہی میں اپنی پوزیشن کا بایں الفاظ اعلان کردیا تھا۔

شاعری زین مثنوی مقصود نیست   بت پرستی بت گری مقصود نیست
خردہ بر مینا مگیر اے ہوشمند   دل بذوق خردۂ مینا بہ بند

اقبال نے ابتائے روزگار کے اس طرز عمل سے متاثر ہوکر پیام مشرق میں ان لوگوں کی ذہنیت کو اس طرح بے نقاب کیا ہے :۔

آشنائے من ز من بیگانہ رفت   از خمستانم تہی پیمانہ رفت
من شکوہ خسروی اورا دہم   تخت کسریٰ زیر پائے او نہم
او حدیث دلبری خواہد ز من   رنگ و آب شاعری خواہد ز من
کم نظر بیتابی جانم ندید   آشکارم دید و پنہانم ندید

الغرض بانگ درا کی بدولت اقبال کا کچھ چرچا لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوگیا۔ اور اردو داں پبلک نے کچھ اندازہ ان کے کلام اور شاعرانہ حیثیت سے متعلق کیا۔ لیکن یہ اندازہ ایسا ہی ہے جیسا بلا تشبیہہ عرض

کرتا ہوں کہ غالب کے اردو کلام کو دیکھکر اس کی شاعرانہ قابلیت کے متعلق کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اردو کلام کو خود درخور اعتنا نہیں سمجھتا اور فارسی کلام کو معیار قابلیت قرار دیتا ہے۔

فارسی بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ من است

اسی طرح اصلی اقبال تو اسرار و رموز، پیام مشرق، زبور عجم اور جاوید نامہ میں نظر آسکتا ہے نہ کہ بانگ درا میں۔

جب اقبال نے دیکھا کہ قوم ابھی تک خوابیدہ ہے تو اس نے اپنے پیغام کو فلسفیانہ شکل و صورت سے کسی قدر معرا کر کے سادہ لباس میں پیش کرنا شروع کیا۔ ارباب تحقیق سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اقبال نے اسرار و رموز کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ وہی شراب کہنہ ہے جو نئی نئی بوتلوں میں پیش کی گئی ہے۔ تاکہ قوم متوجہ ہو۔

چنانچہ جب سنہ ۲۷ء میں زبور عجم شائع ہوئی تو انہوں نے ایک طرف خدا سے یہ دعا کی۔

شاہین من بصید پلنگان گذاشتی ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ

دوسری طرف پڑھنے والوں سے یہ کہا۔

در طلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست دولتی ہست کہ یابی سر راہے گاہے

زبورِ عجم میں ایک تو انہوں نے اپنے پیغام کو غزلوں کے لباس میں پیش کیا تاکہ سمجھنا نسبتاً آسان ہو جائے دوسرے ایک جدت یہ کی کہ اپنے پیغام کو فارسی زبان کی ایک مشہور مثنوی کے قالب میں ڈھالکر پیش کیا۔ یہ اس لئے کہ قدامت پسند طبقہ کی وحشت کچھ کم ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ مباحث کی بلندی یہاں بھی سدِ راہ بن گئی ہے۔ چنانچہ میرا قیاس یہ ہے کہ گلشنِ رازِ جدید کے سمجھنے والے اسرارِ خودی سے بھی کمتر ہیں۔

ان کا خیال تھا کہ پیرانِ کہن اس پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرینگے لیکن افسوس کہ اسرارِ خودی پیامِ مشرق اور زبورِ عجم درسِ نظامیہ میں داخل نہیں اس لئے یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا علاوہ بریں افرادِ قوم کی ذہنیت ہی کچھ ایسی ہے کہ ظاہر پرستی کی آڑ لے کر نبوت کا دعویٰ تسلیم کرا لیجئے لیکن رسوم و قیودِ کہنہ سے بے نیاز ہو کر اگر ۲ + ۲ = ۴ کہئے تو اس کو تسلیم کرنے میں بھی تامل ہو گا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۳۲ء میں جاوید نامہ شائع ہوا تو اقبال نے دیباچہ میں اپنے قلبی احساس کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

منکہ نومیدم ز پیرانِ کہن ۔ دارم از روزے کہ می آید سخن

اور انہوں نے نوجوانوں کو اپنی توقعات اور امیدوں کا مرجع بنایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

برجو ناں سہل کن حرف مرا　　بہر شاں پا یاب کن ژرف مرا

اپنے ژرف پیغام کو پایاب کرنے کے لئے انھوں نے بال جبریل میں جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی، اسرار خودی کے مطالب کو اردو کا جامہ پہنایا۔ لیکن اس کتاب کا عنوان بھی اپنے اندر شکوہ کا اک پہلو مضمر رکھتا ہے فرماتے ہیں۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

غالباً بیس سال کی طویل مدت کا انتظار کے بعد ایک عاشق اپنے معشوق کی بے اعتنائی کا اس خوبصورتی کے ساتھ شکوہ کرنے میں حق بجانب سمجھا جائے گا۔

بال جبریل کے ساقی نامہ میں راز خودی فاش کرنے سے پہلے مسلمان کی بے حسی کا نقشہ ایسے مؤثر انداز میں کھینچا ہے کہ بیان کی سرحد الہام سے مل گئی ہے: فرماتے ہیں۔

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش　　مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام　　بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب　　مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا — لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(بال جبریل ۱۶۷)

اس کے بعد انہوں نے خودی کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ زور کلام اس بلا کا ہے کہ انگریزی زبان کا ساؤدی اور فارسی زبان کا قاآنی دونوں گرد ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے — خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات — خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات
خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند — سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
اندھیرے اجالے میں ہے تابناک — من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے — نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی — ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی — دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں — پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں
سفر اس کا انجام و آغاز ہے — یہی اس کی تقویم کا راز ہے

کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

یہ ہے مقصد گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

"اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم"

(بال جبریل ص ۱۷۲)

پورا ساقی نامہ بار بار پڑھنے اور حرز جاں بنانے کے لایق ہے: اسرار خودی کا اردو زبان میں عطر کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔

مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ نوجوانوں کی توجہ اب اقبال کے کلام کو سمجھنے کی طرف مبذول ہوتی نظر آتی ہے اور آج ہم سب اسی مقصد وحید کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ اقبال کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں

اقبال کا پیغام فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بلکہ جملہ بنی نوع آدم کے لئے زندگی کا پیغام ہے۔ اُسے خود اس بات پر ناز ہے کہ اس نے ایسا زندگی

بخش پیغام قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کے یقین کا اندازہ صرف انہی شعروں سے نہیں ہو سکتا۔

مثلاً:- اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

یا:- از تبِ تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں نا ید چو من مردِ فقیر

بلکہ وہ تو اپنے پیغام کی صداقت پر اس درجہ یقین رکھتا ہے کہ اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف عرض کرتا ہے :-

مسلم از سرِ نبی بیگانہ شد ‏ ‏ باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد
ہمچو کافر از اجل ترسندہ ‏ ‏ سینہ اش فارغ ، ز قلب زندہ
مردہ بود از آبِ حیواں گفتمش ‏ ‏ سرے از اسرار قرآں گفتمش

اب ملاحظہ ہو شانِ التماس :-

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ‏ ‏ ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن ‏ ‏ ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر برم ‏ ‏ اہلِ ملت را نگہدار از شرم
خشک گرداں بادہ در انگورِ من ‏ ‏ زہر ریز اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا ‏ ‏ بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

مسلمان اقبال کے پیغام کو پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ پیغام، ان کے حق میں آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے اور اقبال نے اپنا فرضِ منصبی نہایت خوبصورتی کے ساتھ پورا کر دیا ہے۔ اس کے پیغام کا خلاصہ اس ایک شعر میں بیان کیا جا سکتا ہے

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات — در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

انساں را در جہانِ بے ثبات — نیست ممکن جز بکراری حیات

میں اس طولانی تمہید کے لئے معذرت خواہ ہوں اور معذرت میں صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ :-

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

محمد یوسف خان سلیم چشتی۔ بریلوی

مقدمہ

انسان کی فطرت کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے کہ حریت کی خواہش ہر انسان کے دل میں فطری طور پر موجود ہے۔ کوئی شخص دوسروں کا غلام بن کر نہیں رہنا چاہتا۔ بلکہ وہ خیال، قول اور فعل تینوں باتوں میں جائز آزادی کا طلبگار ہے۔ چونکہ حریت مطلقہ عقلاً جائز نہیں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مثلاً چونکہ میں اپنے قول و فعل میں آزاد ہوں لہذا اپنے ہمسایہ کو گالیاں دے سکتا ہوں یا اس کے مکان کو نذر آتش کر سکتا ہوں اس لئے جذبۂ حریت کو عقل کی حدود میں رکھنا ہوگا۔ لہذا حریت کی منطقی تعریف یہ ہوگی کہ ہر انسان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ ہر اس کام کو کرسکے خواہ وہ قول سے متعلق ہو یا فعل سے جسے وہ دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر کر سکتا ہے۔

لیکن تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تہذیب و تمدن کے آغاز ہی میں غلامی گوناگوں کی لعنت بنی نوع آدم پر مسلط ہو گئی، اور مختلف افراد و اقوام نے انسانوں کے جذبۂ حریت کو فنا کرنے کے لئے مختلف ذرائع ایجاد کئے جس کی بدولت بعض انسان حریت تامہ سے محروم ہو گئے بعض حریت نفس و شخصیت سے بعض حریت فکر و

دین سے اولین حریت ضمیر ہے:

جن افراد یا اقوام نے، انسانوں کو حریت سے محروم کیا، انہوں نے جب اس مسئلہ پر غور کیا کہ انسان کی حریت کس طرح فنا ہو سکتی ہے اور وہ کس طرح غلام ہو سکتا ہے تو ان کو معلوم ہوا کہ جذبہ حریت کی عقلی بنیاد احساس مساوات پر ہے۔ کیونکہ کوئی شخص انسانیت کی حیثیت سے اپنے آپ کو دوسرے سے کمتر نہیں سمجھتا، اگر زید کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میں بکر سے کمتر ہوں کم رتبہ ہوں، ادنیٰ ہوں تو وہ بکر کے سامنے رنگ حریت اختیار نہیں کر سکتا۔

لیکن مزید غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مساوات کا تخیل اس بات پر مبنی ہے کہ کائنات کا خالق، مالک، منتظم اور حاکم صرف ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور سب انسان اعلیٰ ادنیٰ کالے گورے عالم عامی، حاکم محکوم عورت مرد، ہندو مسلمان، برہمن چنڈال، یہودی، مصری، ہندی چینی مشرقی اور مغربی، سب اس ایک خدا کے برحق کے پیدا کردہ ہیں۔

خدا کے علاوہ جو کچھ ہے سب مخلوق ہے اور مخلوق کا کوئی فرد معلول ناقص اور حادث ہونے کی وجہ سے خدا کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ سب انسان مخلوق اور فانی ہونے کی حیثیت سے مساوی الدرجہ ہیں۔ خدا کا فیض ربوبیت وخالقیت و رزاقیت سب کو مساوی طور پر پہنچتا ہے۔

لہٰذا منطقی طور پر لازم آیا کہ عقیدہ مساوات کے علاوہ توحید الٰہی کے عقیدہ کو بھی باطل، یا مبہم یا ناقص یا غیر ضروری قرار دیا جائے۔

"تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت، واضح ہو سکتی ہے کہ حریت کو فنا کرنے کے لئے، دشمنان انسانیت نے ان دونوں چیزوں کو پہلے فنا کیا۔ اور جب توحید الٰہی اور مساوات انسانی کا اصول باطل ہو گیا، تو پھر خواجگی کو انسانوں کے غلام بنانے میں کوئی دشواری باقی نہ رہی۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مساوات انسانی کا اصول کس طرح فنا کیا گیا۔

مساوات انسانی کو کیوں کر فنا کیا گیا

(۱) ذات پات :-

(ا) بعض لوگوں نے کہا کہ ہم تو برہما کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے برہمن ہیں اور افضل ہیں -

(ب) تم برہما کے پاؤں سے نکلے ہو۔ شودر ہو اس لئے ادنیٰ ہو- واضح ہو کہ ذات پات کا عقیدہ دنیا میں، انسانیت کا سب سے بڑا دشمن اور انسانیت کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے -

اسی لئے گاندھی جی نے کہا ہے کہ اگر چھوت چھات کو باقی رہنا ہے تو ہندومت کو چلتا ہونا پڑے گا-

اسی لئے مسٹر موصوف عرصہ دراز سے اپنی قوم کی اصلاح میں منہمک ہیں -

نوٹ :- عجب تماشا ہے کہ برادرانِ وطن اپنی قوم کی اصلاح کریں تو ان کی قوم پرستی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیں اگر مسلمان ایسا کریں تو وہ "فرقہ پرست" کہلاتے ہیں -

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام ۔ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(۲) نسل :-

ہم سُوریہ اور چندرماں کی اولاد ہیں -

تم ..... کول اور ڈراوڑ کی اولاد ہو-

---

(۳) رنگ :-

ہم گورے ہیں اس لئے افضل ہیں -

تم کالے ہو، اس لئے ادنیٰ ہو -

رنگ کا امتیاز تمدن یورپ کے چہرہ پر بدترین داغ ہے-

کالے عیسائیوں کے لئے گرجے بھی علیحدہ ہیں -

---

(۴) قوم :-

ہم آریہ ہیں - اس لئے افضل ہیں -

تم اناریہ ہو، اس لئے داس ہو، ادنیٰ ہو، چنڈال ہو-

"تم آریوں کے گھر میں رسوئی کیا کرو"

---

(۵) احباریّت :-

ہم پوپ ہیں پادری ہیں - عہدہ داران کلیسا ہیں، پروہت ہیں

تم ۔۔۔۔ دنیادار ہو ۔۔۔۔ شادی شدہ ہو ۔ سپتنبا ہو ۔

---

(۶) رہبانیّت :۔

ہم مجرد ہیں، زاہد ہیں، تارک دنیا ہے اس لئے افضل ہیں ۔

تم شادی شدہ ہو، دنیادار ہو ۔ Businessman ہو،

ناپاک ہو اس لئے ادنیٰ ہو ۔

---

(۷) بادشاہ ظل اللہ ہے ۔ اس لئے افضل ہے ۔

(۸) پنڈت اور پادری کے بغیر عبادت نہیں ہو سکتی اس لئے یہ جماعت افضل ہے ۔

(۹) ہم دولت مند ہیں، تم غریب ہو ۔

(۱۰) ہم حاکم ہیں، مہذب ہیں، اس لئے افضل ہیں ۔

تم محکوم ہو، غیر مہذب ہو، اس لئے ادنیٰ ہو ۔

توحید کو کس طرح فنا کیا گیا؟

(ا) بعض لوگوں نے کہا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان سے استمداد جائز ہے اور وہ کائنات کا انتظام کرتی ہیں۔

(ب) عزیر خدا کا بیٹا ہے۔ اس لئے دیگر مخلوقات سے افضل ہے

(ج) مصر میں۔ اتیس خدا کی ماں ہے اور ہورس خدا کا بیٹا ہے۔

(د) عناصر فطرت مثلاً آگ، پانی ہوا دیوتا ہیں۔

اگنی جل وایو

سوریہ، متھرا، درونا، اندر، رُدر، ماروت۔

(ہ) فلاں شخص خدا کا اوتار ہے اس لئے انسانوں سے افضل ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی پرستش شروع ہوگئی۔ اوتار، بروز، حلول، تناسخ اتحاد اور عینیت کے عقاید پیدا ہوگئے۔

(و) خالق اور مخلوق میں ایک واسطہ Intermediary (وسیلہ) ہونا چاہئے۔ یہ واسطہ بہر کیف بنی نوع آدم سے افضل قرار دیا گیا۔ عقل اول۔ عقل کل۔ رُوح عالم۔" Logos "۔" مما" پوپ

اولیاء - شہداء، وغیرہ وغیرہ -

(ز) خدا دو ہیں - خالق خیر - خالق شر -

(ح) خدا تین ہیں خالق، رزّاق، عنیہ

(ط) خدا کائنات کو پیدا کرنے کے بعد معطل ہو گیا -
اب اس کا اکلوتا بیٹا منتظم ہے

بعل، بیکس، ہورس، متھرا، اپالو یہ سب خدا کے بیٹے تھے؛
جو بہ شکل انسان دنیا میں آئے -

الغرض شرک اور امتیازات کی بنا پر دنیا غلامی کی مختلف صورتوں
میں گرفتار ہو گئی -

سولھویں صدی عیسوی کے واقعات

سولھویں صدی :-

یورپ میں بعض اہم عوامل کی بنا پر دورِ اصلاح
(Reformation) شروع ہوتا ہے، مصلحین یورپ کے
باشندوں کو پوپ اور کلیساء کی غلامی سے آزاد کراتے ہیں۔
(حریت ضمیر)

سترھویں صدی :-

حریت ضمیر نصیب ہونے پر دور (احیاء العلوم) (
Renaissance.) شروع ہوتا ہے۔ اور سترھویں صدی میں حریت
فکر پیدا ہوتی ہے۔

اٹھارھویں صدی :-

اصلاح اور احیاء العلوم کی بدولت یورپ حریت نفس و جسم
کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اٹھارھویں صدی میں انقلاب فرانس
رونما ہوتا ہے۔ پاپائیت کے بعد ملوکیت کے خلاف علم جہاد بلند
ہوتا ہے۔

انیسویں صدی :-

یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن حریت پھر بھی مفقود ہے - کیوں ؟ اس لئے کہ فرانس میں مساوات پیدا کی گئی لیکن اس میں مساوات روح نہیں بلکہ جسم کو قرار دیا گیا -

دین آں پیغمبر حق ناشناس   بر مساوات شکم دارد اساس

(ب) مساوات پیدا کی گئی لیکن صرف ابنائے وطن میں نہ کہ بنی نوع آدم میں - فرانس نے ابنائے وطن کو مساوی قرار دیا - لیکن جرمنی کو دائرہ سے خارج کر دیا - توحید قائم کی گئی لیکن وہ توحید روحانی نہیں بلکہ مادی ہے - خالق کائنات خدا نہیں بلکہ مادہ ہے -

کرده ام اندر مقاماتش نگه   لا سلاطین لا کلیسا لا اله

چونکہ مساوات اور حریت کی بنیادیں غیر معقول نہیں اس لئے حریت پیدا نہ ہو سکی یعنی عملاً آزادی کا سلسلہ بدستور جاری رہا -

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردہ میں نہیں غیر از نوائے قیصری

نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

ہندوستان میں بھی آزادی کا شور برپا ہے۔ لیکن جب تک مساوات اور توحید پیدا نہ ہو کسی قسم کی حریت پیدا نہیں ہو سکتی۔ نہ حریتِ نفس نہ حریتِ فکر نہ حریتِ ضمیر۔

یورپ میں آج بھی قومیت، وطنیت، نسل، رنگ اور زبان کے امتیازات موجود ہیں۔

اس لئے مساوات مفقود ہے۔ اس لئے حریت مفقود ہے۔

ہندوستان میں آج بھی چھوت چھات، ذات پات، برہمن اور شودر، پوتر اور ملیکش سرمایہ اور مزدوری کے امتیازات موجود ہیں۔

اس لئے مساوات مفقود ہے۔ اس لئے حریت مفقود ہے

دنیا اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ اگرچہ دانشورانِ مغرب نے :- انسانیت، اباحیت، فوضویت
بالشوزم، سوشلزم، اشتراکیت
بیسیوں نظام ایجاد کئے
لیکن اس کے باوجود۔
ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
(۲) انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

حریت عطا کرنے کے لئے مجلس اقوام قائم ہوئی لیکن۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند — بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

مجلس اقوام کی موجودگی میں اٹالیہ نے حبشہ کو غلام بنا لیا۔ اور جاپان چین کو غلام بنا رہا ہے۔ اور برطانیہ فلسطین کو۔

الغرض سب کچھ ہو رہا ہے لیکن حریت کی فضا پیدا نہیں ہوتی۔

یہ فضا یا یہ دور یا یہ رنگ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

وحدت خدا :۔

(۱) بنی نوع آدم کو توحید خالص توحید کا پیغام سنایا جائے۔

وحدت انسان :۔

(۲) مساوات نسل انسانی کا اصول مسلم ہو۔

(۳) ملوکیت کو فنا کیا جائے تاکہ حریت جسم نصیب ہو۔

(۴) ذات نسل نسب و رنگ اور وطن کے امتیاز کو فنا کیا جائے تاکہ حریت نفس نصیب ہو۔

(۵) دین دار جماعت اور دنیا دار جماعت کے امتیاز کو مٹایا جائے تاکہ حریت فکر یا عقل یا ذہن نصیب ہو۔

(۶) مدعیان نبوت کے دعویٰ الہام کو باطل کیا جائے اور دنیا کو ختم نبوت کا پیغام سنایا جائے تاکہ آئندہ کوئی شخص دوسروں کے ضمیر پر حکمرانی نہ کر سکے مرد حُر یا موحد وہ ہے جو :-

(۷) ان تمام باتوں کا قلع قمع کیا جائے جو حریت کو فنا کرنے والی ہیں مثلاً۔ ناجائز حسن اعتقاد، محبت باطل، خوف غیر اللہ۔ جذبہ طمع۔

آئیے اب دیکھیں کہ اقبال نے اپنے پیغام میں توحید و مساوات اور حریت چہارگانہ اور موانع حریت کو مٹانے کے متعلق کیا تعلیم دی ہے؟

(۱) ایک خدا کے علاوہ کسی ہستی کو خدائی میں شریک سمجھتا ہو اور کسی انسان کی شخصیت سے ایسا ناجائز حسن اعتقاد نہ رکھتا ہو کہ اس کے باعث اس کے قول کو خدا کے فرمان پر بالا کر دے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ۔

(۲) جن کو خدا نے باطل قرار دیا ہو۔ ان سے محبت نہ رکھے۔ لا احب الآفلین

(۳) خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ فلا تخشوا ہم واخشونی

(۴) خدا کے علاوہ کسی سے نفع یا نقصان کی امید نہ رکھتا ہو۔

(۵) کسی فرد یا جماعت سے دشمن بغض یا عداوت نہ رکھتا ہو۔

(۶) وطن پرست یا قوم پرست نہ ہو بلکہ خدا پرست ہو اور تمام کائنات

"تمام بنی نوع آدم اور تمام اقوام عالم کا سچا خیر خواہ ہو۔ کیونکہ "رب العالمین" کا
پرستار ہے۔ اسکی ہمدردی اور محبت کا دائرہ جغرافیائی حدود سے محدود نہ ہو
وہ سرشتہ ہی خاص نسل قوم قبیلہ یا ملک کا عاشق نہ ہو۔ بلکہ تمام عالم کا عاشق ہو
اس کی ہمدردی کا دائرہ کسی خاص قوم یا خاص وطن سے مخصوص نہ

بلکہ :۔ "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"

وہ ہندوستان کے ساتھ حبشہ اور فلسطین کے مظلوموں سے بھی ہمدردی
کر سکے۔ اٹلی کے باشندوں کی طرح حبشہ کے باشندوں کو انسان سمجھے۔

---

(۱) توحید کا پیغام :-

ا - فرماتے ہیں کہ توحید کا عقیدہ وجود ملت کے لئے بمنزلہ روح ہے

ملت بیضا تن و جاں لا اله ساز ما را پردہ گرداں لا اله

لا اله سرمایۂ اسرار ما رشتہ اش شیرازۂ افکار ما

ب - توحید وہ نقطہ ہے جس پر کائنات کا نظام گردش کرتا ہے -

نقطۂ ادوار عالم لا اله انتہائے کار عالم لا اله

ج - توحید کی اشاعت کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے -

زانکہ در تکبیر راز بود تست حفظ و نشر لا اله مقصود تست

د - ہر مسلمان کو اپنے اندر رنگ توحید پیدا کرنا چاہئے -

رنگ او بر کن مثال او شوی در جہاں عکس جمال او شوی

یا یکی ساز از دوی بردار رخت وحدت خود را مگرداں لخت لخت

ہ - رنگ توحید اختیار کر لینے سے انسان خود بے ہمتا ہو جاتا ہے -

آنکہ ذاتش واحد است و لا شریک بندہ اش ہم در نسازد با شریک

مومن بالائے ہر بالا ترے غیرت او بر نتابد ہمسرے

و - جو شخص توحید پر عامل ہو جاتا ہے تمام جہاں اس کے اندر سما جاتا ہے

ہر کہ حرف لا اله از بر کند عالمے را گم بخویش اندر کند

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ز۔ توحید انسان کو زندگی بخشتی ہے۔

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا الّا
پیامِ موت ہے جب لا ہوا الّا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

درگزر از لا اگر جوئندہ   تا رہِ اثبات گیری زندہ

ح۔ توحید کا عقیدہ انسان کو لاہوتی اور جبروتی صفات عطا کر دیتا ہے

فرد از توحید لاہوتی شود   ملت از توحید جبروتی شود
ملتے چوں می شود توحید مست   قوت و جبروت می آید بدست

ط۔ توحید کا عقیدہ انسان کے ہاتھ میں بمنزلہ تیغِ براں ہے جس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

ایں دو حرف لا الٰہ گفتار نیست   لا الٰہ جز تیغ بے زنہار نیست
زیستن با سوز او قہاری است   لا الٰہ ضرب است و ضرب کاری است

ی۔ معرفت الٰہی انسان کو بادشاہوں سے بھی بلند کر دیتی ہے

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک   اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

ک - صرف خدا کی ذات حق ہے باقی سب وہم و گمان ہے -

ہر مال و دولت و نیا و رشتہ و پیوند   بتان وہم و گمان لا الٰہ الا اللہ

ل - توحید ہی سے امت میں صفت جلال و جمال پیدا ہو سکتی ہے اور اغیار کی غلامی سے رہائی حاصل ہو سکتی ہے -

نکتہ می گویم از مردان حال   امتاں را لا جلال الا جمال

لا و الا احتساب کائنات   لا و الا فتح باب کائنات

تا نہ رمز لا الٰہ آید بدست   بند غیر اللہ را نتواں شکست

م - توحید کا عقیدہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور بنی نوع آدم کے قرار و قیام کا باعث ہے اور حکومت و سروری عطا کرتا ہے -

در مقام لا نیاساید حیات   سوئے الا می خرامد کائنات

لا و الا ساز و برگ امتاں   نفی بے اثبات مرگ امتاں

ہر کہ اندر دست او شمشیر لا است   جملہ موجودات را فرماں رواست

(۲) پیغامِ مساوات :-

علامہ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے انسان انسان پرستی میں مبتلا تھا

(ا) ہندوستان میں رام کرشن مہابیر گوتم یہ سب انسان
خدا کا اوتار یعنی خدا بہ شکل انسان تسلیم کئے جاتے ہیں اور دیوتاؤں
کی مجموعی تعداد ۳۳ کروڑ تھی۔

عراق شام مصر اور یونان میں خدا کے اوتاروں اور خدا کے بیٹوں
کا بازار گرم تھا۔

اپالو، جوپیٹر، ہورس، ایڈونس، بے کس، بعل۔

(ب) بادشاہوں کو ظل اللہ قرار دے کر ان کی ذات کو قانون اور سوسائٹی
کی قیود سے ماورا قرار دے دیا گیا تھا۔ انحطاط ان میں آج بھی یہی کیفیت ہے
بعض ممالک میں بادشاہوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ مثلاً :- جاپان چین اور
ایران -

ج- یورپ میں پوپ، ایران میں مُغ، ہندوستان میں پنڈت، اور یہود
مصر میں کاہن، شام میں احبار انسانوں کے دل و دماغ پر حکمراں تھے۔

بود انسان در جہاں انساں پرست — ناکس و نابود و زیر دست
سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش — بندہا در دست و پا و گردنش

کاہن و پاپا و سلطان و امیر ‏ ‏ ‏ بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر
صاحب اورنگ و ہم پیر کنشت ‏ ‏ ‏ باج بر کشت خراب او نوشت
در کلیسا اسقف رضواں فروش ‏ ‏ ‏ بہر ایں صید زبوں دامے بدوش
برہمن گل از خیابانش ببرد ‏ ‏ ‏ خرمنش مغ زادۂ با آتش سپرد
از غلامی فطرت او دوں شدہ ‏ ‏ ‏ نغمہ ہا اندر نے او خوں شدہ

آنحضرت نے نقشہ ہی بدل دیا۔

اسلام نے کیا کیا ؟

"تا نہ جاں اندر تن آدم دمید ‏ ‏ ‏ بندہ را باز از خداونداں خرید
زادن او مرگ دنیائے کہن ‏ ‏ ‏ مرگ آتش خانہ و دیر و شمن
حریت زاد از ضمیر پاک او ‏ ‏ ‏ ایں مے نوشیں چکید از تاک او
عصر نو کیں صد چراغ آوردہ است ‏ ‏ ‏ چشم در آغوش او وا کردہ است
ناشکیب امتیازات آمدہ ‏ ‏ ‏ در نہاد او مساوات آمدہ

مذمّت غلامی :۔

حریت کاملہ کا پیغام پیش کرنے سے پہلے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اقبال نے غلامی کے متعلق کیا خیالات ظاہر کئے ہیں :۔

غلامی کی مذمت میں اقبال نے اس درجہ تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات

اظہار کیا ہے کہ اس مضمون میں بیان نہیں ہو سکتا۔

غلامی کے نتائج:-

از غلامی دل بمیرد در بدن　　از غلامی روح گردد بارِ تن
از غلامی بزمِ ملت فرد فرد　　این و آن با این و آن اندر نبرد
از غلامی مردِ حق زنار بند　　از غلامی گوہرش ناارجمند
آبروے زندگی در باختہ　　چون خران با کاہ و جو در ساختہ
کور ذوق و نیش را دانستہ نوش　　زندہ بے مرگ و نعشِ خود بدوش
در غلامی عشق و مذہب را فراق　　انگبینِ زندگانی بدمذاق
در غلامی عشق جز گفتار نیست　　کارِ ما گفتارِ ما را یار نیست
دین و دانش را غلام ارزان دہد　　تا بدن را زندہ دارد جان دہد
گرچہ بر لبہائے او نامِ خداست　　قبلۂ او طاقتِ فرمانرواست

غلاموں کی نظر قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

غلاموں پر موت کا خوف طاری رہتا ہے:-

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ   زندگی او را حرام از بیم مرگ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(آہ)   ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جراٴتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر :-

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

غلام افراد حقیقت حال سے بے خبر ہوتے ہیں :-

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام
مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

غلامی کا الہام بھی مضرت رساں ہوتا ہے :-

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

غلاموں کی فکر خرافات کا مجموعہ ہوتی ہے :-

آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور — محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا — ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

غلام عمل سے بے بہرہ ہوتا ہے :-

بدن غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم — کہ ہے مرور غلاموں کے روز و شب پہ حرام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے — ورائے سجدہ غریبوں کو اور ہے کیا کام

غلام لذتِ ایمان سے بے بہرہ ہوتا ہے :-

از غلامے لذتِ ایماں مجو — گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو
عید آزاداں شکوہ ملک و دیں — عید محکوماں ہجوم مومنیں

انسانیت کا مرتبہ :-

اس کے بعد یہ دکھانا مقصود ہے کہ اقبال کی تعلیمات میں انسانیت

کو کیا مرتبہ دیا گیا ہے :-

(۴) - قدیم فلسفہ کے بعض مکتبوں نے مادہ کو ناپاک اور بدی کا سرچشمہ قرار دیا : 500 B.C. میں Gnosticism نے یہ فتویٰ صادر کیا - مادہ اصلاً بُرا ہے -

چونکہ جسم انسانی مادی ہے اس لئے جسم بھی ناپاک اور بدی کا سرچشمہ ہے

بعض قدیم مذاہب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ انسان کی موجودہ پیدائش اس کی سابقہ ناپاک اور گنہگار زندگی کا نتیجہ ہے - گویا بدن پر نظام کائنات مبنی ہے ؛

بعض مذاہب نے انسانی زندگی کو سرتاپا دکھ اور عذاب اور لعنت قرار دیا - اور فنا ہو جانے یا فنا کر لینے کو نصب العین قرار دے دیا -

بعض مذاہب نے کہا کہ ہر انسان پیدائشی گنہ گار ہے - گناہ کا داغ اس کی پیشانی پر دنیا میں آنے سے پہلے لگ جاتا ہے -

اس کے علاوہ عورت دنیا میں بنی آدم کی تخلیق کا ذریعہ ہے اس لئے اُسے بھی ذلیل و خوار قرار دیا گیا - کلیسا میں مدتوں یہ بحث جاری رہی کہ عورت میں رُوح ہے یا نہیں ؟ ایک کلیسائی بزرگ نے عورت کو "درِ جہنم" کا لقب دیا - اور مشرقی مذاہب میں بھی اس کو نہایت ادنیٰ درجہ دیا گیا ہے - جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے

الغرض نتیجہ ان تعلیمات و خیالات کا یہ ہوا کہ دنیا میں انسانیت اور انسان کا مرتبہ نہایت پست ہوگیا۔ انسان ہونا کوئی قابل فخر بات نہ تھی جاتی (انسانیت سے نجات پانا ہی انسان کا نصب العین قرار دیا گیا تھا۔)

لیکن اقبال نے انسانیت کا جو بلند تخیل پیش کیا ہے وہ ان اشعار سے ظاہر ہوگا :۔

أ ۔ انسان نائب حق ہے ۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است

ب ۔ کائنات انسان کی تسخیر کے لئے ہے ۔

ما سوا از بہر تسخیر است و بس
سینۂ او عرضۂ تیر است و بس

جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را تسخیر کن

ج ۔ انسان بذریعہ عشق ہے خلیفۃ اللہ ہے اور اس کا مقام آسمان سے بھی بلند ہے ۔

در دو عالم ہر کجا آثار عشق
ابن آدم سرّے از اسرار عشق

حرف انی جاعل تقدیر او
از زمیں تا آسماں تفسیر او

او امام و او صلوٰۃ و او حرم
او مداد و او کتاب و او قلم

آنچہ در آدم بگنجد عالم است
آنچہ در عالم نگنجد آدم است

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

د ۔ پہنائے کائنات بھی انسان کے لئے مختصر ہے ۔

چہ عجب اگر دو سلطان بولایتے نگنجد
عجب این کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

ہ ۔ ہستی و نیستی دونوں انسان کی نگاہ پر منحصر ہیں ۔

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

و ۔ انسان خدا کی ہستی پر شہادت دیتا ہے ۔

چنان خود را نگہ داری کہ با این بے نیازیہا
شہادت بر وجود خود زخون دوستان خواہی

ز ۔ انسان کا مقام فرشتوں سے بھی بالاتر ہے ۔

مقام بندگی دیگر مقام عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازان خواہی

ح ۔ انسان کا مقصود حیات جہانگیری ہے ۔

نگردد زندگانی ختم از کار جہانگیری
جہانے در گرہ بستم جہانے دیگرے پیش است
شایان جستجوئے ما پہنائے دو گیتی نیست
این رہگذار ما آن راہ گذار ما

ط ۔ وجودِ انسانی کا ایک ذرہ حیاتِ جاودانی سے بڑھ کر ہے۔

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودم — بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

ی ۔ انسان کا مقام جبریل سے بھی بلند ہے۔

باوجِ مشتِ غبارے کجا رسد جبریل
بلند نامیِ او از بلندیِ بامم است

ک ۔ انسان پیکرِ خاکی نہیں ہے۔

درگذر از خاک و خود را پیکرِ خاکی مگیر
چاک اگر در سینہ ریزی ماہتاب آید بروں

ل ۔ انسان کی ترقی لا انتہا ہے۔

ز جوئے کہکشاں بگذر ز نیلِ آسماں بگذر
ز منزل دل بمیرد الخ

م ۔ انسان مضرابِ کائنات ہے۔

جہانِ رنگ و بو پیدا تو می گوئی کہ راز است ایں
یکے خود را بتارش زن کہ تو مضرابِ ساز است ایں

ن ۔ انسان مظہرِ خدا ہے۔

پیدا بضمیرم او پنہاں بضمیرم او
ایں است مقامِ او دریاب مقامِ من

۵- حریت چہارگانہ

(۱) ملوکیت، ظلم و استبداد اور مطلق العنانی کی مذمت ملاحظہ ہو -

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک　　　سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر　　　پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

حکومت صرف خدا ہی کو زیبا ہے۔ بندہ بندہ پر حکومت نہیں کر سکتا

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری
از غلامی فطرتِ آزاد را رسوا مکن
تا تراشی خواجۂ از برہمن کافر تری

ملوکیت داروے بیہوشی ہے -

داروے بیہوشی است تاج کلیسا، وطن
جانِ خدا داد را خواجہ بجائے خرید

ملوکیت رعایا کا خون چوستی ہے -

ہم ملوکیت بدن را فربہی است　　　سینۂ بے نور او از دل تہی است
مثل زنبورے کہ بر گل می چرد　　　برگ را بگذارد و شہدش برد
ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب　　　ہر دو یزداں ناشناس آدم فریب

این بظلم و دین و من آید شکست   آن برد جان را ز تن نان را ز دست

حکومت سوائے خدا کے اور کسی کا حق نہیں ہے ۔

زیر گردون آمری از قاہری است   آمری از ماسوا اللہ کافری است

حاکم آمری در دست ملوک   وہ خدایان نے بر دو دہقان دو

حق زمین را جز متاع ما نگفت   این متاع بے بہا مفت است مفت

دہ خدایا نکتہ از من پذیر   رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

باطن الارض للہ ظاہر است   ہر کہ این ظاہر نبیند کافر است

از ملوکیت نگہ گردد دگر   عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

رزق خود را از زمین بردن رواست   این متاع بندہ و ملک خداست

بندہ مومن امین حق مالک است   غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

رایت حق از ملوک آمد نگون   قریہ ہا از دخل شان خوار و زبون

ارض حق را ارض خود دانی بگو   چیست شرح آیہ "لا تفسدوا"

ابن آدم دامی از ابلیسی نہاد   من ز ابلیسے ندیدم جز فساد ۔

— ملوکیت کو ختم کر دو۔ سارے مسئلے حل ہو جائیں گے ۔

تا کے ابن دانی را پیدا باز دہ   تا ز کار خویش بکشائے گرہ

زیرکی با عقل و فطرت بینی چیست   آنچہ از مولاست میگوئی ز ماست

— ملوکیت تو مردوں کو گھاٹ اتار دیتی ہے ۔

مسولینی می گوید

میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم　　تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں　　راجدھانی ہے مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج

ملوکیت رعایا کو حریت سے محروم کر دیتی ہے -

از فسونش مرغ زیرک دانہ مست　　نالہ ہا اندر گلوئے خود شکست
حریت خواہی بہ پیچاکش میفت　　تشنہ میرو بر نم تاکش میفت

اسلام کا مقصود ملت آدم ہے :—

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

وطنیت کی خرابیاں ملاحظہ ہوں :—

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے　　تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے　　کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے　　قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

وطنیت کی تعلیم غیر اسلامی ہے :—

لرد مغرب آن سراپا مکر و فن　　اہل دین را داد تعلیم وطن
تو اگر داری تمیز خوب و زشت　　دل نبندی با کلوخ و سنگ و خشت

ملت اسلامیہ کی بنیاد وطن پر نہیں ہے .

ب ۔ مذمت نسل و رنگ و نسب و وطن پرستی ۔

تمام مسلمان ایک قوم اور ایک ملت ہیں :۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر
جو کریگا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر

رنگ اور خون کا امتیاز سراسر تباہ کن ہے :۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

بانیٔ اسلامؐ نے تمام امتیازات مٹا دیئے ۔

در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خواں نشست
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت — آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت
اسود از توحید احمر می شود — خویش فاروق و ابوذر می شود

قومیت یا ملت کی بنیاد وطن نہیں ہے بلکہ مذہب ہے ۔

اصل ملت در وطن دیدن کہ چہ — باد و آب و گِل پرستیدن کہ چہ

ملت کی بنیاد نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر ہے۔

برنسب نازاں شدن نادانی است ۔ حکم او اندر تن و تن فانی است

ملت ما را اساس دیگر است ۔ ایں اساس اندر دل ما مضمر است

مختلف ممالک کے مسلمان سب ایک قوم ہیں:۔

ہندی و چینی سفال جام ماست ۔ رومی و شامی گل اندام ماست

قلب ما از ہند و روم و شام نیست ۔ مرز بوم او بجز اسلام نیست

وطنیت سے نوع انسان ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ اور اخوت فنا ہو جاتی ہے

آں چناں قطع اخوت کرده اند ۔ بر وطن تعمیر ملت کرده اند

تا وطن را شمع محفل ساختند ۔ نوع انساں را قبائل ساختند

آدمی آدمی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

مردمی اندر جہاں افسانہ شد ۔ آدمی از آدمی بیگانہ شد

روح از تن رفت و ہفت اندام ماند ۔ آدمیت گم شد و اقوام ماند

جذبۂ وطنیت ایک بت ہے جو انسان کو روحانی پستی میں مبتلا کر دیتا ہے

فکر انساں بت پرستی بت گرے ۔ ہر زماں در جستجوئے پیکرے

باز طرح آذری انداخت است ۔ تازه تر پروردگارے ساخت است

کاید از خوں ریختن اندر طرب ۔ نام او رنگ است و ہم ملک و نسب

مسلمان کا فرض ہے کہ اس بت کو پاش پاش کر ڈالے

اے کہ خوردستی ز مینائے خلیل   گرمئ خونت ز صہبائے خلیل
بر سر این باطل حق پیرہن   تیغ لا موجود الا ہو بزن

مسلمان کا فرض ہے کہ رنگ و نسب نسل و وطن کے امتیازات باطلہ سے بالاتر ہے۔

آنکہ نام تو مسلمان کردہ است   از دوئی سوئے یکی آوردہ است
خویشتن را ترک و افغان خواندۂ   وائے بر تو آنچہ بودی ماندۂ
با یکی ساز از دوی بردار رخت   وحدت خود را مگردان لخت لخت

ملت اسلامیہ امتیازات رنگ و خون سے بالاتر ہے :—

قوم تو از رنگ و خون بالاتر است   قیمت یک اسودش صد احمر است
قطرۂ آب وضوے قنبرے   در بہا برتر ز خون قیصرے
فارغ از باب و ام و اعمام باش   ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

امتیاز نسب، اصول اخوت کے منافی ہے ۔—

ملت ما شان ابراہیمی است   شہد ما ایمان ابراہیمی است
گر نسب را جزو ملت کردۂ   رخنہ در کار اخوت کردۂ

مختصر یہ کہ وطنیت اور قومیت کا عقیدہ، فکر اسلامی کے سراسر خلاف ہے

در زمین ما نگیرد ریشہ ات   ہست نا مسلم ہنوز اندیشہ ات

ج ۔ ملا و پیر، کاہن و پاپا، پنڈت اور پروہت، احبار اور فقہاء۔

اقبال ملا و پیر دونوں سے سخت نالاں ہے:-

دینِ حق از کافری رسوا تر است　　زانکہ ملا مومن کافر گر است

از شکر فیہاے آن قرآن فروش　　دیدہ ام روح الامین را در خروش

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد　　ملت از قال و اقولش فرد فرد

مکتب و ملا و اسرار کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب

دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد　　دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

ـــ فقہا:- تفرقہ پردازی کا موجب ہوئے۔

رشتۂ دین چون فقیہان کس نرشت　　کعبہ را کردند آخر خشت خشت

کیش ما را این چنین تاسیس نیست　　فرقہ اندر مذہب ابلیس نیست

ملا اور پیر کی زندگی کا نقشہ اقبال کی نظر میں یہ ہے:-

(۱) مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

(۲) شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

(۳) احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

(۴) گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا　　کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

مُلّا اور پیر دونوں سے بے نیازی کی تعلیم ملاحظہ ہو:۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

ہے بدآموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا — اور جنّت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

(بالِ جبریل ۱۰۹)

مُلّا اور پیر دونوں کا وجود قوم کے لئے بے سود ہے:۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
مُلّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار

اُن کی تعلیم عقل و ضمیر کو روشن نہیں کر سکتی:۔

شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز — ہو نہ اخلاص تو دعوئے نظر لاف و گزاف

مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کی حالت یہ ہے:۔

شیخِ او لُردِ فرنگی را مرید — گرچہ گوید الخ

گفت دین را رونق از محکومی است — زندگانی از خودی محرومی است

دولتِ اغیار را رحمت شمرد — رقص ہا گردِ کلیسا کرد و مُرد

مُلّا اور پیر قوم کو ترقی کی راہیں نہیں سجھاتے:۔

مکتب و ملا سخنہا ساختند　　مومناں ایں نکتہ را نشناختند

زندہ قومے بود از تاویل مرد　　آتش او در ضمیر او فسرد

صوفیان با صفا را دیدہ ام　　شیخ مکتب را نکو سنجیدہ ام

عصر من پیغمبرے ہم آفرید　　آنکہ در قرآن بغیر از خود ندید

ہر یکے دانائے قرآن و خبر　　در شریعت کم سواد و کم نظر

زیں کلیماں نیست امید کشود　　آستیں ہا بے ید بیضا چہ سود؟

مذہبی پیشواؤں کی عام حالت کا نقشہ :-

شیخ مکتب کم سواد و کم نظر　　از مقام خود نداد او را خبر

د - تردید مدعیان نبوت :-

آنحضرت صلعم پر نبوت ختم ہوگئی :-

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد　　بر رسول ما رسالت ختم کرد

خدمت ساقی گری با ما گذاشت　　داد ما را آخریں جامے کہ داشت

لا نبی بعدی ز احسان خداست　　پردۂ ناموس دین مصطفی است

چونکہ پیغام کامل ہوگیا۔ اس لئے پیغامبر کی ضرورت بھی ختم ہوگئی :-

آن کتاب زندہ قرآن حکیم　　حکمت او لایزال است و قدیم

حرف او را ریب نے تبدیل نے　　آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

نوع انساں را پیام آخریں　　حامل او رحمۃ للعالمین

قرآن، تمام مسلمانوں کے لئے کافی ہے اور سب مسلمانوں کو اسی کی پیروی لازم ہے :-

از یک آئینی مسلمان زندہ است　　پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست　　اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
چوں گہر در رشتہ او سفتہ شو　　ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

مسلمان کسی ایسے الہام پر ایمان نہیں لاسکتے جس سے وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

جو شخص حکومت پرستی کا وعظ کرے وہ لائق اتباع نہیں۔

فتنۂ بیضۂ ملت ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

محکوم کا الہام موجب نقصان ہے :-

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتگر اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

اسلام میں تصور ختم نبوت کی تہذیبی قدر کو میں نے کسی اور

جگہ بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اس کا مفہوم بالکل سادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنہوں نے اپنے ماننے والوں میں ایک ایسا قانون دے کر جو انسانی شعور کی گہرائیوں سے اُبھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ انہیں نجات و فلاح کے راستہ پر ڈال دیا۔ ہم کسی بھی انسان کے سامنے روحانی طور پر جھکنے کے لئے مکلف نہیں ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں کے سلسلہ کو ختم کر کے اسلام نے بنی نوعِ آدم کو ہمیشہ کے لئے حریتِ فکر عطا کر دی، اب قیامت تک کوئی شخص کسی دوسرے کے قول کو تسلیم کرنے کے لئے شرعاً مجبور نہیں ہے۔ تمام انسان صرف ایک مکمل دستورالعمل کے پابند ہیں، کوئی کسی کی ذاتی رائے کا پابند نہیں ہے۔

صرف نبی انسانوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے ارشادات اور احکامات کو بلا چون و چرا تسلیم کرو۔ لیکن اب نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ انسان کی حریتِ فکر کامل ہو جائے۔

منجملہ دیگر احسانات کے اسلام کا سب سے بڑا احسان بنی نوعِ آدم پر یہ ہے کہ اس نے فکرِ انسانی کو ہمیشہ کے لئے انسان کی گرفت سے آزاد کر دیا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ختمِ نبوت کا اعلان دوسرے لفظوں میں حریتِ فکر

دستور کا منشور کبیری ہے۔ (Magna Charta)
الغرض اقبال نے ملوکیت، نسل و وطنیت، احباریت اور مدعیان نبوت چاروں کی تردید کر دی ہے۔

No King, no priest hood, no prophets, no caste

اسلام نے دنیا میں (Induction Intellect) کی بنیاد رکھی ہے۔ اسلام نے نبوت کو مرتبہ کمال تک پہنچا دیا، اور اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ سلسلہ نبوت بانی اسلام کی ذات پر منتہی ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو کامل طور سے شعور ذاتی کی صفت سے بہرہ مند کرنے کے لئے اس کو کسی آئندہ نبی کے قول کا پابند نہ بنایا جائے بلکہ اسے اپنی قوت فکر و اجتہاد پر تکیہ کرنے کا حکم دیا جائے۔
(قرآن) اسلام میں احباریت، ملوکیت دونوں کی نفی کی گئی ہے اور انسان کو بار بار اپنی عقل و خرد سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے تجربہ و مشاہدے سے استفادہ کرنے اور نفس و آفاق میں تدبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کو حصول علم کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب ختم نبوت ہی کے تصور کے مختلف پہلو ہیں۔

اب میں موانع حریت کی تفصیلات پیش کرتا ہوں۔
(ا) پہلی چیز ناجائز حسن اعتقاد اور کورانہ تقلید ہے۔ یہ دونوں

باتیں قاطع حریت فکر و ضمیر ہیں ۔ اور اقبال نے ان دونوں کی مذمت کی ہے
— افلاطونی فلسفہ اور اس کے تخیلات کی بعض مسلمانوں نے کورانہ تقلید
کی ہے لیکن اقبال نے اس کے خیالات پر تنقید کی اور ان کو اسلام کی تعلیمات
کے خلاف پایا۔ اس لئے 'اجتناب' کا حکم دیا ہے۔

یہ ناجائز حسن اعتقاد ہی کا کرشمہ ہے کہ اس کے خیالات کو بعض
مسلمان ادبا اور صوفیاء نے آنکھ میچ کر تسلیم کر لیا اور یہ نہ دیکھا کہ وہ اسلام
کی تعلیمات سے خلاف ہیں۔ لیکن اقبال کی نظر میں اس کا فلسفہ ناقص
اور مضرت رساں ہے۔

آنچناں افسونِ نامحسوس خورد | اعتبار از دست و چشم و گوش برد
گفت سرِّ زندگی در مُردن است | شمع را صد جلوہ از افسردن است
بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود | جانِ او وارفتۂ معدوم بود
منکرِ ہنگامۂ موجود گشت | خالقِ اعیانِ نامشہود گشت
قوم ہا از سکر او مسموم گشت | خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت

تقلید کورانہ کی مذمت :-

زندگی از طوفِ دیگر رستن است | خویش را بیت الحرم دانستن است

دانشِ حاضر کی تقلید سے اجتناب :-

سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجو | کیفِ حق از جامِ ایں کافر مجو

دانش حاضر حجاب اکبر است　　بت پرست و بت فروش و بت گر است

مسلمان کو کسی کی ذات کے ساتھ ناجائز حسن اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے:-

آفتاب ہستی یکے در خود نگر　　از نجوم دیگراں تابے مخر

بر دل خود نقش غیر انداختی　　خاک بردی کیمیا در باختی

تا کجا طوف چراغ محفلے　　ز آتش خود سوز اگر داری دلے

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو　　فارغ از ارباب دون اللہ شو

—— تقلید کورشیوۂ مردانہ نہیں ہے -

دلا زندانیٔ پروانہ تا کے؟　　نگیری شیوۂ مردانہ تا کے؟

یکے خود را بسوز خویشتن سوز　　طواف آتش بیگانہ تا کے؟

—— قرآن کے علاوہ دوسروں کے خیالات کی تقلید جائز نہیں ہے:-

دانش مغربیاں فلسفۂ مشرقیاں　　ہمہ بتخانہ و در طوف بتاں چیزے نیست

—— مسلمان پر کسی شخص کا رنگ نہیں چڑھ سکتا۔

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو　　مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

—— غیر کی تقلید اور حسن اعتقاد مسلمان کے لئے خطرات کا موجب ہے:-

از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن　　ہر زماں جانم بلرزد در بدن

—— اقوام مشرق کو تقلید کے بجائے اقوام مغرب پر تنقید کرنا چاہئے -

شرق را از خود برد تقلید غرب　　باید ایں اقوام را تنقید غرب

—— تقلید کی جگہ نگاہ و فکر کی ضرورت ہے

قوت افرنگ از علم و فن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ — مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست — ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست

اقبال موجودہ دور سے سخت نالاں ہے۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی — رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

—— علم، ذاتی تحقیق و کاوش سے حاصل ہوتا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

—— موجودہ تصوف اور صوفیوں سے بیزاری

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی — فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

—— تقلید کورسے علم حاصل نہیں ہوتا۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

—— تقلید سے جرأت اندیشہ فنا ہو جاتی ہے۔

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

—— پیروں کو حالاتِ حاضرہ کے مطالعہ کی دعوت

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ　　مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت　　دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے　　مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا

—— تمدن مغرب کی تقلید کی مذمت ۔

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو　　آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر　　وہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

—— پیروی کورانہ کی مذمت ۔

دنیا ہے روایات کے پھندے میں گرفتار
کیا مدرسہ کیا مدرسہ والوں کی تگ و دو
کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

ذاتی تحقیق کی ضرورت

دیکھے تو زمانہ کو اگر اپنی نظر سے — افلاک منور ہوں ترے نور سحر سے
اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی — کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی

—— سبب مرض ۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید — وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے، نہ مغرب اس سے بری — جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

—— ظن و تخمین سے اجتناب لازم ہے :۔

فاش می گوئی اگر اسرار دین — جز بہ اعماق ضمیر خود مبین
گر نہ بینی دین تو مجبوری است — این چنین دین، از خدا مہجوری است
تو یکے در فطرتِ خود غوطہ زن — مردِ حق شو بر ظن و تخمین شکن

(ب) دوسری چیز جو قاطع حریت ہے، وہ محبت باطل ہے :۔
علامہ نے اس کی مذمت اس طرح کی ہے :۔

—— اسلام کے معنی ہیں، ہر فانی شے کی محبت سے، دل کو پاک رکھنا۔

علم مسلم کامل از سوز دل است — معنیٔ اسلام ترک آفل است
چوں ز بند آفل ابراہیم رست — درمیانِ شعلہ ہا نیکو نشست

کائنات اس لائق نہیں کہ اس کی محبت میں خود فراموش ہو جائے :-

از خود اندیش وازیں بادیہ ترساں مگذر — کہ تو ہستی و وجود دو جہاں چیزے نیست

—— یہ عالم رنگ و بو محبت کے لئے نہیں بلکہ تسخیر کے لئے ہے ۔

تری آگ اس خاکداں سے نہیں — جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر — طلسم زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید — زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

—— محبت باطل کو یکسر فنا کر دینا چاہئے ۔

پیر ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست — از خوش و ناخوش او قطع نظر باید کرد
گفتمش در دلِ من لات و منات است بسے — گفت ایں بتکدہ را زیر و زبر باید کرد

—— فانی لذات دنیوی سے کنارہ

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب — ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

—— زخارفِ دنیا لائق اعتنا نہیں ۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند — بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

—— محبتِ باطل زوال کا اصلی سبب ہے ۔

سبب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے — زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

—— باطل سے اجتناب

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے — شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

—— محبت باطل کفر ہے

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی　　مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

—— محبت باطل مومن کے لئے الجھن کا باعث ہے۔

لا دینی و لاطینی، کس پیچ میں الجھا تو　　دارو ہے ضعیفوں کی لا غالب الا ہو

—— دنیا کی محبت کو فنا کرنا لازم ہے۔

مرد حق افسون این دیر کہن　　از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

—— محبت باطل سے اجتناب

دل ز غیر اللہ بپرداز اے جواں　　این جہان کہنہ در باز اے جواں

تا کجا بے غیرت دین زیستن　　اے مسلماں مردن است این زیستن

اے مسلماں اندریں دیر کہن　　تا کجا باشی بہ بند اہرمن

بیم۔ خوف غیر اللہ یعنی قاطع حریت ہے۔ اس کے متعلق علامہ اقبال کی تعلیم یہ ہے:۔

—— خوف ام الخبائث ہے قاطع حیات ہے، مسلمان کو سوائے خدا کے اور کسی سے ڈرنا زیبا نہیں ہے۔

قوت ایماں حیات افزایدت　　ورد لا خوف علیہم بایدت

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است　　کاروان زندگی را رہزن است

بیم چوں بند است اندر پائے ما　　ورنہ صد سیل است در دریائے ما

—— توحید خوف غیر اللہ کو دُور کر دیتی ہے۔

تا عصائے لا الٰہ داری بدست — ہر طلسم خوف را خواہی شکست

ہر کہ حق باشد چو جاں اندر تنش — خم نگردد پیش باطل گردنش

خوف را در سینۂ او راہ نیست — خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست

—— خوف غیر اللہ دراصل شرک ہے۔

ہر شر پنہاں کہ اندر قلب تست — اصل او بیم است اگر بینی درست

لابہ و مکاری و کین و دروغ — ایں ہمہ از بیم می گیرد فروغ

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است — شرک را در خوف مضمر دیدہ است

—— سچا مسلمان کسی دنیاوی طاقت سے خوف نہیں رکھا جا سکتا۔

ما سوا اللہ را مسلماں بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

—— حضرت حسینؓ کی مثال ملاحظہ ہو۔

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید — از رگ اصحاب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوان نجات ما نوشت

—— قرآن کی تعلیمات کا لب لباب یہی ہے کہ باطل کا مقابلہ کیا جائے۔

رمز قرآں از حسینؓ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

—— سوائے خدا کے اور کسی کے سامنے جھکنا یا اُس سے مرعوب ہونا لازم نہیں۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات　　جب جھکا تو غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

—— مسلمان کسی سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔ کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

—— صرف موحد ہی سلاطین کے سامنے کلمۂ حق کہہ سکتا ہے۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش　　لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

—— جس کو خوف غیر اللہ نہ ہو وہ فقیر سلاطین سے بلند رتبہ ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

شیوۂ اخلاص را محکم بگیر　　پاک شو از خوف سلطان و امیر

—— جو شخص خوف غیر اللہ پیدا کرے اس کا وجود مسلمانوں کے لئے فتنہ ہے۔

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی　　جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

—— فرنگی کا خوف دل سے نکال دو

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے قم باذن اللہ

—— مبارک وہ ہے جو خوف غیر اللہ سے آزاد ہے۔

اے خوش آں مردے کہ دل با کس نداد　　بند غیر اللہ را از پا کشاد

—— موحد ہی غیراللہ کے خوف سے بے نیاز ہو سکتا ہے :۔

تا نہ رمز لا الہ آید بدست ۔۔۔ بند غیر اللہ را نتواں شکست

پیش غیر اللہ لا گفتن حیات ۔۔۔ تازہ از ہنگامہ او کائنات

—— مسلمان کو کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب ہونا زیبا نہیں ہے :۔

احتساب خویش کن از خود مرو ۔۔۔ یک دو دم از غیر خود بیگانہ شو

تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس ۔۔۔ اندریں کشور مقام خود شناس

خویشتن را تیزیٔ شمشیر دہ ۔۔۔ باز خود را در کفِ تقدیر دہ

—— مسلمان کو لازم ہے کہ حکومت کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہ ڈرے :۔

پیش فرعوناں بگو حرف کلیم ۔۔۔ تا کند ضربِ تو دریا را دو نیم

ک۔ مذمتِ طمع و حرص و ہوا۔

—— جان جائے پر آن نہ جائے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

—— انسان کو کسی کا ممنون احسان نہ ہونا چاہیے ۔

مسلم استی بے نیاز از غیر شو ۔۔۔ اہلِ عالم را سراپا خیر شو

پیش منعم شکوہ گردوں مکن ۔۔۔ دستِ خویش از آستین بیروں مکن

منت از اہلِ کرم بردن چرا ۔۔۔ نشتر لا و نعم خوردن چرا

رزقِ خود را از کفِ دوناں مگیر — یوسفِ ہستی خویش را ارزاں مگیر
پشت پا زن تختِ کیکاؤس را — سر بدہ از کف مدہ ناموس را

—— حقیقی عزت دولت سے حاصل نہیں ہوتی :-

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

—— حقیقی عزت خودی کی حفاظت میں مضمر ہے :-

گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ — گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

—— استغنا اور بے نیازی روحانی ترقی کا سبب ہے :-

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

—— آسائشِ دنیوی کے لئے عزتِ نفس کو قربان مت کرو :-

خودی کے نگہبان کو ہے زہرِ ناب — وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند — رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
فروِ فالِ محمود سے درگزر — خودی کو نگہ رکھ، ایازی نہ کر

—— اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہیں :-

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں — سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے — خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

۔۔۔ خطابات کی طرح رُوحانیت کو فنا کر دیتی ہے۔

آتی ہے صدا سلسلۂ فقر ہوا بند   ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں   پیدا کُلہِ فقر سے ہو طُرۂ دستار
باقی کُلہِ فقر سے تھا ولولۂ عشق   طُروں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار

۔۔۔ درسِ قناعت دیتے ہیں :۔

در جہاں جز دردِ دل ساماں مخواہ   نعمت از حق خواہ و از سلطاں مخواہ
کثرتِ نعمت گداز از دل بَرَد   نازمی آرد نیاز از دل برد
سالہا گردِ جہاں گردیدہ ام   نم بچشمِ منعماں کم دیدہ ام
من فدائے آنکہ درویشانہ زیست   وائے آں کو از خدا بیگانہ زیست

آخر میں صفتِ مردِ حُر بھی سُن لیجئے کہ اس کی نشان کیا ہوتی ہے اور اس کا مرتبہ کیا ہے؟

۱ - کسی سے نہیں ڈرتا۔

مردِ حُر محکم ز وردِ لاتخف   ما بمیداں سر بجیب او سر بکف

۲ - کسی بادشاہ کی غلامی نہیں کرتا۔

مردِ حُر از لا اِلٰہ روشن ضمیر   می نگردد بندۂ سلطان و میر

۳ - بلکہ خود بادشاہ اس سے خوف کھاتے ہیں۔

پادشاہاں در قباہائے حریر   زرد رُو از سہمِ آں عُریاں فقیر

۴ - اسرار دینی سے واقف ہوتا ہے -

سر دیں مارا خبر او را نظر — او درون خانہ ما بیرون در

۵ - مردِ حر کسی حالت میں ایمان فروشی نہیں کر سکتا -

ما کلیسا دوست ما مسجد فروش!

او ز دست مصطفےٰ پیمانہ نوش!

۶ - بے نیاز ہوتا ہے -

نے مغاں را بندہ نہ ساغر بدست — ما تہی پیمانہ او مست الست

۷ - وہ غیر کا آسرا نہیں ڈھونڈتا -

قبلۂ ما گہ کلیسا گاہ دیر — او نخواہد رزق خویش از دستِ غیر

۸ - ما ہمہ عبدِ فرنگ او عبدہٗ — او نہ گنجد در جہانِ چار سو

۹ - مردِ حر موت کو بھی حیات کی ایک منزل سمجھتا ہے -

در جہانِ بے ثبات او را ثبات — مرگ او را از مقاماتِ حیات

۱۰ - نشۂ وحدت میں سرشار ہوتا ہے :-

ما گدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست — فقر او از لا الٰہ تیغے بدست

۱۱ - اس کی صحبت میں رہ کر آدمی آدمی بن جاتا ہے :-

صحبت از علمِ کتابی خوشتر است

صحبتِ مردانِ حر آدم گر است

خاتمہ :-

اقبالؔ نے وطنیت و قومیت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کو پڑھ لینے کے بعد اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہ سکتی کہ مسلمان موجودہ تخیّل وطنیت و قومیت کو اختیار یا قبول کرنے سے کیوں اس قدر زبردست انکار کرتے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وطنیت و قومیت کا یہ نظریہ جو آج اُستاد یورپ سے سیکھ کر برادرانِ وطن پیش کر رہے ہیں اسلام کی صریح تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔

اسلام کی کھلی ہوئی تعلیم یہ ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد وطن پر نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اسلام نے قومیت کی بنیاد مذہب پر رکھی ہے: اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان مذہب کو بالائے طاق رکھ کر کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہب اُن کی اجتماعی زندگی سے منفک نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مذہب میں محمدؐ کی پیروی کریں۔ اور سیاست میں کارل مارکس کی، تمدن میں گوتم یا مہابیر کی، معاشرت میں کنفوشیس کی۔ اور اخلاق میں گاندھی یا ٹالسٹائے کی۔ اور اقتصادیات میں لینن اور جواہر لعل کی۔ نہیں وہ زندگی کے ہر

شعبہ میں قرآن کی پیروی کریں گے۔ کیونکہ قرآن مجید مذہب کے علاوہ سیاست، تمدن، تہذیب، معاشرت، معاشیات، اقتصادیات اور اخلاق تمام اصولوں کا درس دیتا ہے +

اسی سلسلے کی دیگر تصانیف

شرح اسرارِ خودی پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی، بی۔ اے کی معرکۃ الآرا تصنیف جس نے قبولیت عامہ حاصل کر لی ہے اور جس نے علامہ اقبال کے بنیادی فلسفہ "خودی" کی نہایت آسان طریق پر تشریح و توضیح کر دی ہے۔

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۱۸/

تعلیماتِ اقبال یہ بھی پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی ہی کی ایک ہر دلعزیز تالیف ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بہت کچھ اضافے اور نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کی چار سو ۴۰۰ جلدیں بہاول پور کے محکمۂ تعلیم نے ہم سے خرید کر اسکولوں میں بطور انعام تقسیم کی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۱۸/

اقبال کا تصورِ زمان و مکان! ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی۔ ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی، پروفیسر ریاضیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن جنھوں نے تین سال قبل "نوبل پرائز" حاصل کیا تھا، اس نظریہ کو صاف کیا ہے جو علامہ ڈاکٹر صاحب مرحوم، زمان و مکان کے

متعلق رکھتے تھے۔ قیمت دس آنہ ۱۰/

موت و حیات اقبال کے کلام میں! یہ بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک مقالہ ہے۔ حیات افروز اور حیات آفرین ہے۔

قیمت چار آنے ۴/

اقبال کے چند جواہر ریزے علامہ اقبال کی صحبت میں بیٹھ کر جو ملفوضات پروفیسر محمد عبد الحمید صاحب ایم۔ اے، نے جمع کئے تھے، یہ کتاب اُن کا مجموعہ ہے۔

قیمت دس آنے۔ ۱۰/

اقبال پر ایک نظر۔ یہ چند ادبی مضامین کا مجموعہ ہے جو علامہ اقبالؒ کے کلام پر بطور تبصرہ یا تنقید یا تشریح و توضیح لکھے گئے تھے۔

قیمت دو روپے آٹھ آنہ ۲/۸

ملنے کا پتہ

دفتر اقبال اکیڈمی۔ ظفر منزل

تاج پورہ۔ لاہور

DUE DATE

Date	No.	Date	No.
EXhabition for Iqbal			